اردو میں یادداشت نویسی اور خود نوشت نویسی کی روایت

The Tradition of Memoir writing and Autobiography in Urdu

Saira Banoo
sairamushtaq888@gmail.com
Ph.D Scholar-Urdu, NUML, Islamabad, Pakistan

KEYWORDS

Diary
Writing
Tendency
Enlighten
Contemporary

DATES

Received	**03-08-2023**
Accepted	**05-09-2023**
Published	**30-12-2023**

QR CODE

ABSTRACT

Literature is the mirror of life. The importance of diary writing in the history of Urdu literature has been un questionable. We find mention of it in the poetry of great poets. The journal is actually a type of diary writing. In modern times, the tendency towards it has become relatively less. Research students are unaware of its importance and value. My aim of this research is to enlighten the contemporary researchers about its importance and traditions.

DOI:
http://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/85

تلخیص:

ادب زندگی کا آئینہ ہے. اردو ادب کی تاریخ میں ڈائری لکھنے کی اہمیت ناقابل اعتراض رہی ہے۔ اس کا ذکر ہمیں عظیم کی شاعری میں ملتا ہے۔ شاعر . یہ جریدہ دراصل ڈائری لکھنے کی ایک قسم ہے. جدید دور میں اس کی طرف رجحان نسبتاً کم ہو گیا ہے۔ تحقیق کے طلبا اس کی اہمیت اور اہمیت سے ناواقف ہیں۔ میری اس تحقیق کا مقصد دور حاضر کے محققین کو اس کی اہمیت اور روایات سے روشناس کرانا ہے۔

یادداشت نگاری، روزنامچہ اور ڈائری ایک ہی مفہوم کے حامل تین مختلف الفاظ ہیں۔ یادداشت نگاری، روزنامچہ یا ڈائری کیا ہے؟ اس کے فوائد کیا ہیں؟ کیا اردو زبان میں اس صنف کی روایت بہت قدیم ہے یا اس کے آغاز کو محض چند عشرے گزرے ہیں؟

کیا اردو کے قدیم روزنامچے تلف ہو گئے یا طاقِ نسیاں کی زینت بنے رہے؟ ان سوالات پر جب کوئی محقق غور کرتا ہے تو اسے ان سوالوں کے غیر مبہم اور غیر تسلی بخش یا ناکافی جوابات ملتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اردو زبان میں یادداشت نگاری کی روایت پر کوئی اہم تحقیقی پیش رفت نہیں ہو سکی۔ عام طور پر خواجہ حسن نظامی اور مولوی مظہر علی سندیلوی کے روزنامچے معروف ہیں اور انہی روزنامچوں کو یادداشت نگاری کا نقطہ آغاز سمجھا گیا ہے۔ لیکن یہ نقطہ نظر تاریخی طور پر درست نہیں ہے۔ روزنامچہ یا یاداشت نگاری کے حوالے سے نور الحسن ہاشمی نے لکھا ہے:

"یہ بیک وقت ایک تاریخ بھی ہے اور ایک سوانح نگاری بھی اور زندگی کی داستان بھی۔(1)

خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

"میں نے جب کبھی اپنی زندگی کا روزنامچہ لکھا تو محسوس ہوا گویا اپنے عرفان ہستی کا کھاتہ لکھ رہا ہوں کیونکہ جب اس کو دیکھتا ہوں، آمد و خرچ کا حساب یاد آتا ہے۔"(2)

حقیقت یہ ہے کہ روزنامچہ نگار یا یادداشت نگار اپنی ہستی کے عرفان کا کھاتہ ہی نہیں لکھتا بلکہ اپنے عہد معاشرت، ماحول، زمانے، ثقافت کا عرفان بھی ہمیں عطا کرتا ہے۔ روزنامچہ نگار اپنی یادداشتوں کو اس یقین کے ساتھ قلم بند کرتا ہے کہ یہ صفحات روئے زمین پر اس کے سوا کوئی نہ پڑھے گا۔ لہٰذا یہ تحریریں ایسے لافانی حقائق، ابدی سچ، بے لوث سچائی اور بے چون و چرا صداقتوں پر مشتمل ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ ان یادداشتوں میں صرف یادداشت نگار کی باطنی حالت ہی تحریر نہیں ہوتی بلکہ اس کے خاندان اس عہد اس زمانے اور اس خطے کے نفسانی، روحانی، جسمانی، انسانی معاملات بھی بلا کم و کاست تحریر کئے جاتے ہیں۔ بے شمار روزنامچہ نگار اپنی زندگی کی یادیں تلف کرتے رہتے ہیں اور لکھتے رہتے ہیں لیکن انہیں ہمیشہ روزنامچے تلف کرنے کی مہلت نہیں ملتی کیونکہ اچانک مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے اور یہ روزنامچے ردی والوں کے ذریعے مورخین کی دسترس میں آجاتے ہیں۔ روزنامچہ نگاری روزنامچہ نویس کی ذات کی تطہیر کا عمل بھی ہے۔ اس کے نفس کا تزکیہ اور تصفیہ بھی بلکہ اس عہد اس خاندان اور اس دور کا آئینہ بھی لیکن روزنامچہ نگار نہ ناصح مشفق بننا چاہتا ہے نہ واعظ معجز بیاں۔ وہ ایک ناظر کی حیثیت سے جو کچھ دیکھتا، سنتا، محسوس کرتا ہے۔ خونِ دل میں انگلیاں ڈبو کر، آنسوؤں کے موتیوں سے اپنی تنہائیوں میں اجالا کر کے ان تجربات، مشاہدات، حادثات کو قلم بند کر دیتا ہے۔

یہ موضوع بھی نہایت دلچسپی کا حامل ہے کہ روزنامچہ نگار کے گھر والے اپنے عزیز کی نجی باتوں کو عام کیوں کر دیتے ہیں؟ وہ ان روزنامچوں کو تلف کیوں نہیں کرتے۔ اس سوال کی مختصر تحقیق یہ انکشاف کرتی ہے کہ ان یادداشتوں کو محفوظ کرنے میں ردی والوں کا کردار کلیدی ہوتا ہے۔ گھر والے یہ روزنامچے ردی سمجھ کر پھینک دیتے ہیں۔ انہیں اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ سامان پھینکا جا رہا ہے اس میں ان کی رسوائی اور عزت افزائی کے کتنے سامان ارزاں ہیں۔ اہل علم انہیں ردی والوں سے خرید لیتے ہیں۔ علم و تحقیق کے فروغ میں ردی والوں کی اہمیت بہت زیادہ رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روزنامچہ یا یادداشت ایک ایسی چیز ہے جو آپ بیتی، تاریخ،

نویسی، تاریخ نگاری، صحیفہ نویسی، صحافت نگاری کے قریب تر پہنچتی ہے اور اس میدان میں سفر نامہ، رپورتاژ، خطوط، ملفوظات وغیرہ کوئی اس کا ہم سر نہیں ہے۔ یادداشت اور روزنامچہ ایک حد تک غیر مدون خود نوشت اور تاریخ کا خاکہ کہا جاسکتا ہے۔

یادداشت حقیقت میں انسان کا یومیہ زائچہ ہوتا ہے جو ہر قسم کے تصنع، ملمع کاری، بناوٹ، نمود و نمائش سے پاک ہوتا ہے۔ اسے ہم خالص تاریخ بھی کہہ سکتے ہیں جس میں ایک فرد نہ صرف اپنی ذات کا حساب کتاب رکھتا ہے بلکہ اپنے عہد، اپنے معاشرے اپنے زمانے کی تاریخ، معاشرت، تمدنی حوادث، آفات، واقعات، سانحات کا دفتر بھی محفوظ کرتا ہے۔ عموماً یادداشتیں اشاعت کی غرض سے نہیں لکھی جاتیں۔ اس کا مقصد اپنی وضاحت کرنا، دوسروں کی رہبری کرنا نہیں ہوتا۔ اس کا محرک محض وہ یاد اور وہ رشتہ ہے جو یادداشت نگار کو اپنے روزمرہ کے واقعات قلم بند کرنے کیلئے متحرک کرتا ہے۔

کیا یاد داشتیں، آپ بیتی، سفر نامے، رپورتاژ، خطوط، ملفوظات، واقع نگاری، تاریخ نویسی، تاریخ نگاری، صحیفہ نگاری سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں؟ کیونکہ یاد داشتوں کا زندگی سے بڑا قریبی اور گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اس کا تسلسل اور بے ربطی اور نشیب و فراز بھی زندگی کی طرح ہوتے ہیں۔ یوں تو خطوط بھی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں مگر خطوط لکھتے وقت مخاطب کا تصور ذہن میں ضرور رہتا ہے۔ لیکن یادداشتوں میں لکھنے والا اپنے آپ سے مخاطب ہوتا ہے۔ عموماً آپ بیتی، تاریخ نگاری، خود نوشت، خاکہ نگاری میں بہت سے واقعات ذہن سے اتر جاتے ہیں یا ان کی اصل تصویر نہایت دھندلا جاتی ہے اور واقعات کچھ سے کچھ شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مطالب بدل جاتے ہیں تفصیلات مٹ جاتی ہیں۔ جزئیات محو ہو جاتی ہیں یا قصداً بہت سے واقعات نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ یا انہیں اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی اصل حیثیت کھو دیتے ہیں۔ لیکن یادداشت نگاری ان عیوب سے پاک ہوتی ہے کیونکہ ان میں حقیقی زندگی کی حرکات اور واقعات جو لکھنے والے کے مشاہدے یا علم میں آتے ہیں، قلم بند کیے جاتے ہیں۔ یادداشت نگاری کی خوبی یہی ہے کہ یہ ذاتی تاثرات کو جبکہ وہ ابھی تازہ ہی ہوتے ہیں ان کو تحریری شکل میں محفوظ کر لیتی ہے۔

خطوط میں جب کوئی مخاطب ہوتا ہے۔ مکتوب نگار، اس کی شخصیت، مزاج، عادات، نفسیات کے مطابق بہت سی باتوں کو حذف کر دیتے ہیں یا قصداً بیان نہیں کرتے۔ یا گریز کا ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں کہ اصل بات کہیں سے کہیں چلی جاتی ہے یا رنگینی بیان سے اس معاملے کی اصل صورت بگڑ جاتی ہے۔ آپ بیتی شخصیت کی جلوہ نمائی ہوتی ہے لہٰذا آپ بیتی لکھنے والے عموماً دروغ گوئی سے کام لے لیتے ہیں۔ آپ بیتی اشاعت کی غرض سے لکھی جاتی ہے لیکن یادداشتیں یا روزنامچے میں لکھنے والے کو ایسی کوئی غرض نہیں ہوتی۔

یادداشتوں میں ہم کسی بھی عہد کی روزانہ زندگی کے معمولات اس میں برپا تغیرات کی جھلک صدیوں بعد بھی دیکھ سکتے ہیں۔ یادداشتوں کے ذریعے پہلے گزرے ہوئے وقت کی باتیں، جزئیات کی تفصیل نہایت باریک بینی سے معلوم کر سکتے ہیں۔ آرتھر نے اپنی کتابوں میں اپنے عہد کے بے شمار مطبوعہ، غیر مطبوعہ قلمی روزنامچوں سے استفادہ کیا ہے۔ یادداشتوں کے بغیر ہم کسی صدی یا

عہد کے اشرافیہ کے حالات، ماحول، اخلاقیات، تہذیب اور معاشرت سے آگاہ نہیں ہوسکتے۔ مثال کے طور پر Parson Toonges کی یادداشتوں سے ہمیں سترھویں صدی کی سمندری زندگی کے اسرار ورموز سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس عہد میں سپاہی سمندروں میں کس طرح جنگ لڑتے تھے اور کس طرح شب وروز بسر کرتے تھے۔ ان کی امیدیں، تمنائیں، دعائیں، آنکھ کے آنسو، دل کی دھڑکنوں، آنکھوں کے حلقے، مچلتے ہوئے ہونٹ، ابلتے ہوئے جذبات کس طرح رات کی تنہائیوں میں اجالا کرتے تھے۔ اسی طرح وکٹورین عہد پر لکھے گئے روزنامچوں اور یادداشتوں سے ہمیں اس عہد کی تاریخ، اخلاقیات، طاقت کے مظاہر اور مقتدر قوتوں کے طرز زندگی وطرز معاملات سے آگاہ کرتے ہیں:

> "ادب انسانی ذہن کا جمالیاتی اظہار ہے جس کو جمالیاتی نقطہ نظر سے تین بڑے دائروں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک دائرہ داخلی یا غنائی ادب کا۔ دوسرا خارجی یا بیانیہ ادب کا، تیسرا ان دونوں کے درمیان میں ہے۔ اس میں داخلیت اور خارجیت، غنائیت اور بیانیہ انداز ایک دوسرے میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔"(3)

نثری اصناف میں یہ صورتحال تخلیقی افسانے میں صاف طور پر نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ تیسرا دائرہ خود نوشت نگاری، سرگزشت نگاری، یادداشت نگاری، سوانح نگاری، مکتوب نگاری، رپورتاژ نگاری، سفرنامہ نگاری اور کبھی کبھی روزنامچہ نگاری پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ ان تمام اصناف نثر میں شعور، وجدان، داخلیت، خارجیت، مقصدیت اور جمالیاتی کیفیت، ابہام اور ترسیلی قوت ایک دوسرے میں تحلیل ہوکر ایک تخلیقی اکائی کو جنم دیتے ہیں۔ البتہ مقصد، ماحول، مصنف، میڈیم اور دوسرے محرکات کی روشنی میں ان عناصر اور اجزا میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور اسی نسبت سے کیفیت وکمیت کا رنگ وآہنگ بدلتا رہتا ہے۔ اس قدر اشتراک کے علاوہ خود نوشت سوانح نگاری اور بعض دوسری نثری اصناف میں بعض اجزا، عناصر اور خصوصیات مشترک (جن میں روزنامچہ نگاری، یادداشت نگاری، مکتوب نگاری، رپورتاژ نگاری، سرگزشت نگاری اور سوانح نگاری شامل ہیں)۔ خود نوشت، سوانح نگاری کے حدود اور امکانات کا تعین کرنے کیلئے ضروری ہے کہ مختصراً ان اصناف نثر کا جائزہ لیا جائے۔

انگریزی میں یادداشتوں یا روزنامچوں کے لئے ڈائری کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ صنف بھی ادب کی قدیم صنف میں شمار ہوتی ہے۔ فرعون کے دربار کے روزنامچے اس وقت کی یادداشتیں قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ ان کی مدد سے دربار کا حال معلوم ہوتا ہے۔ فرعون کی مصروفیات، اس کے ظلم اور اس کے تدبر کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ انگریزی ادب میں چارلس ششم اور ہفتم کے دور کے روزنامچے ملتے ہیں:

> "اگرچہ یادداشتیں روزمرہ کے واقعات کے وقوع پذیر ہونے کے فوراً بعد لکھی جاتی ہیں تاہم ان میں مصنف کی ذات، اس کے افکار وجذبات اور اندازِ نظر بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ یہ صرف روزمرہ زندگی کا ریکارڈ ہی نہیں ہوتے بلکہ اس میں تاریخی، سوانحی اور ادبی رنگ بھی ہوتا ہے۔"(4)

نثری ادب میں یادداشت نگاری اظہارِ ذات کے لئے موزوں سمجھی جاتی ہے۔ چونکہ ایسا ادب خود بینی یا خود نمائی کی خواہش پر مبنی ہوتا ہے اور بالخصوص سوانحی ادب میں یہ عنصر زیادہ پایا جاتا ہے اور یادداشت نگاری کا محرک بھی یہی جذبہ ہے۔ اگرچہ واقعات اور حادثات کا تعلق براہ راست یادداشت نگار کی ذات سے معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن ان واقعات کی تہہ میں جھانکنے سے یادداشتوں کے تجزیے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یادداشتوں کا بنیادی محرک شعوری یا غیر شعوری طور پر یادداشت نگار کی ذات ہے۔ اظہار ذات یا خواہش خود بینی ہے اور یہی خصوصیت ہے جو یادداشتوں اور ڈائریوں کو خود نوشت سوانح نگاری کے فن سے قریب کرتی ہے۔ یادداشتیں خاکہ نگاری کے بہت قریب ہوتی ہیں ان میں بھی خاکہ نگاری کی طرح مختلف اشخاص کو زیر بحث لایا جاتا ہے اور ان کے حلیہ، رہن سہن اور عادات و خصائل پر بات کی جاتی ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ خاکہ میں مصنف کی اپنی ذات کا دخل کم ہوتا ہے جبکہ یادداشتوں میں مصنف کی اپنی ذات دخیل ہوئی ہے۔ یادداشتیں دراصل روزانہ وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی دستاویزات ہوتی ہیں۔ تاہم ان کو لکھتے وقت مصنف کو قوت تخیل سے کام لینا پڑتا ہے اور یہی چیز یادداشتوں کو تخلیقی ادب میں شامل کر دیتی ہے۔ یادداشتوں میں وہ تمام روز و شب قلم بند ہوتے ہیں جو پردہ روز و شب پر نمودار ہوتے ہیں خود ان کا تعلق مصنف کی ذات سے بھی بہت گہرا ہوتا ہے۔

یادداشتوں کا خود نوشت سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اکثر نقادوں نے یادداشت نگاری کو خود نوشت نگاری ہی کا ایک پہلو قرار دیا ہے۔ سرگزشت اور خود نوشت نگاری کے درمیان امتیاز کرنا اتنا باریک اور مشکل ہے کہ اکثر ادیب خود نوشت اور سرگزشت کو ہم معنی تصور کر بیٹھے۔ اصل میں ان دونوں کی ہیئت میں کوئی فرق نہیں ہوتا تاہم ان کے مواد کو غائر نظر سے دیکھ کر سرگزشت اور خود نوشت میں ممیز کیا جاتا ہے۔ اس مماثلت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ خود نوشت اور سرگزشت دونوں میں ہی لکھنے والا اپنے ذاتی واقعات اور حالات کا تذکرہ کرتا ہے اس لئے اسلوب بھی نہایت ذاتی زندگی کو پیش کرنے والا ہوتا ہے۔ دونوں طرح کی تحریروں میں خارجی دنیا اور داخلی کیفیات کی عکاسی ہوتی ہے لیکن ان مماثلات کے باوجود دانشوروں نے اس کے بیچ خطِ امتیاز کھینچ رکھا ہے ان دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ خود نوشت میں مصنف اپنی ذاتی تاریخ لکھتا ہے جبکہ سرگزشت میں کم و بیش عوامی واقعات ہوتے ہیں جن میں مصنف صرف ایک معاون کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سب کے باوجود لکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ جن واقعات کا تذکرہ کرتا ہے وہ اس کی زندگی میں حقیقتاً پیش آئے ہوں۔ دوسرے یہ کہ ان اشخاص کا ذکر جن سے صاحب تحریر کا سابقہ پڑا ہو ان معاملات اور تحریکات کا ذکر ہو جو اس کی زندگی میں وقوع پذیر ہوئے ہوں۔ جبکہ خود نوشت میں بنیادی کردار مصنف کا اپنا ہوتا ہے۔ اس میں وہ اپنی ذاتی تاریخ بیان کرتا ہے جس میں اس کے افکار و جذبات شامل ہوتے ہیں۔ دوسرے اشخاص کا بیان ناگزیر حالات میں آتا ہے۔ لیکن سرگزشت میں مصنف کی ذات کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی:

> "ہندوستان میں سرگزشت لکھنے کا دستور زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے لیکن لفظ سرگزشت کا استعمال نہیں ہوتا تھا۔ تزک بابری کو پہلی سرگزشت کہا جاسکتا ہے۔ تزک بابری میں بابر نے اپنے دورِ حکومت کے

جھگڑے سرداروں کی بغاوت، اپنے والد کا حال، اپنی جنگوں کے قصے وغیرہ بیان کئے ہیں۔ ان واقعات سے قاری بابر کی شان و شوکت اور اس کی ظاہری چمک دمک تو دیکھ سکتا ہے مگر اس کے نہاں خانہ دل میں نہیں جھانک سکتا۔ اس کی خارجی زندگی پر اس کی داخلی کیفیت کا عکس نظر نہیں آتا۔"(5)

مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ سرگزشت اور خود نوشت ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہیں کہ سرسری نگاہ میں دونوں کو الگ الگ کرنا مشکل ہے۔ سرگزشت میں لکھنے والے کی زندگی کے واقعات اس کے ربط میں آنے والے اشخاص اور معاملات کا ذکر ہوتا ہے لیکن جو خصوصیت سرگزشت کو سرگزشت بناتی ہے وہ خارجیت ہے۔ یعنی وہ تحریر جو اقلیت سے زیادہ خارجیت کا عنصر زیادہ رکھتی ہے وہ خود نوشت نہیں سرگزشت ہے۔

خطوط بھی یادوں کا منبع ہوتے ہیں۔ مکتوب نگاری عہد قدیم سے مروج ہے۔ روم اور بابل کی تہذیب میں اس کے پرانے نقوش ملتے ہیں جس کا ثبوت خسرو کے خطوط ہیں۔ انگریزی زبان میں پندرھویں صدی اور سولہویں صدی میں اس کا رواج ہوا۔ مگر یہ خطوط دست برد زمانہ ہوگئے مگر سترہویں صدی میں جب اطالوی خطوط کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا تو یہ روایت آگے بڑھی۔ ہندوستان میں بھی رقعات عالمگیری، ابوالفضل عالمگیری فیضی کے خطوط، بیدل کے رقعات، حضرت مجدد ثانی کے خطوط اور مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان خطوط میں ذاتی حالات کے ساتھ معاشرے اور ماحول کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ اردو میں خطوط غالبؔ سے جو سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ وہ اقبال، احسن مارہروی، حالی، شبلی اور مہدی افادی سے ہوتا ہوا رشید احمد صدیقی تک برابر آگے بڑھ رہا ہے مکتوب نگاری کی مختصر اور جامع تعریف ابھی تک نہیں ہوئی ہے۔ عام طور پر مکاتیب پیغام رسانی کا کام کرتے ہیں جس میں ایک شخص دوسرے شخص کو پیغام بھیجتا ہے۔ ان میں روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتیں لکھی جاتی ہیں۔ جن کا تعلق یا تو مکتوب نگار کی ذات سے ہوتا ہے یا پھر مکتوب الیہ سے۔ خطوط میں واقعات کا تسلسل نہیں پایا جاتا۔ مکاتیب میں بے ربط انداز میں بعض ذاتی اور بعض سماجی، سیاسی اور تہذیبی اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً مظہر جانِ جاناں کے خطوط میں اس دور کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ کچھ مذہبی اور سیاسی حالات کی طرف اشارے ملتے ہیں یا غالب کے خطوط میں ان کی زندگی کے اہم واقعات اور دوستوں کا حال معلوم ہوتا ہے مگر یہ سب کچھ بے ربط اور غیر منظم انداز میں ملتا ہے۔ خط چھوٹی چھوٹی باتوں سے بُنے جاتے ہیں اور ان میں دنیا کا لطف ہوتا ہے۔ یہی چھوٹی چھوٹی باتیں شخصیت کی ایسی تہوں کو کھوتی ہیں جنہیں شعوری طور پر کوئی انسان افشاء نہیں کرتا۔ کچھ ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جنہیں انسان بالمشافہ نہیں کہہ سکتا۔ صرف خطوط میں ہی وہ باتیں لکھی جاسکتی ہیں۔ یہی عناصر ہیں جو خطوط کو سوانحی ادب کے دائرے میں شامل کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ خطوط کے عناصر بڑی حد تک سرگزشت سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اگرچہ کچھ خطوط ایسے بھی ہیں جنہیں یکجا کرنے سے مکتوب نگار کی زندگی کا ہیوی سا تیار ہو جاتا ہے لیکن صرف ہیوئی ہی ہوتا ہے۔ کوئی واضح، ممتاز اور متعین تصویر نہیں بنتی۔ خطوط میں خیال کی ہم آہنگی اور تسلسل کا ہونا ضروری نہیں جبکہ خود نوشت میں یہ چیزیں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں۔

اردو میں بعض فنکاروں کے خطوط سے منتشر جملوں کو تاریخی تسلسل اور موضوع کی مناسبت سے یکجا کر کے خود نوشت تیار کی جاسکتی ہے۔ غالب کے خطوط اسی ذیل میں آتے ہیں۔ لیکن ایسی خود نوشت ایک ادھوری اور مصنوعی کوشش ہوگی۔ اصل میں خطوط کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ شائع کئے جائیں۔ اس لئے ان میں وہ باتیں بھی آجاتی ہین جن کا تعلق مصنف کی بالکل ذاتی زندگی سے ہوتا ہے جن کو وہ خود نوشت لکھتے وقت نظر انداز کر سکتا ہے۔ اس لئے خطوط خود نوشت سوانح نگاری سے الگ ایک وسیلہ اظہار ہیں۔

مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ مکتوب نگاری کا فن بہت قدیم ہے۔ مکتوب ترسیل خیال کا ایک وسیلہ ہے۔ یہ عام طور پر پیغام رسانی کا کام کرتے ہیں عموماً صیغہ واحد متکلم میں ہوتے ہیں۔ ان میں روز مرہ کی چھوٹی چھوٹی باتیں لکھی جاتی ہیں۔ ذاتی حالات کے علاوہ کبھی کبھی سیاسی، سماجی، تہذیبی اور اقتصادی احوال بھی لکھ دیئے جاتے ہیں۔ مکاتیب دو افراد کے درمیان ذاتی معاملات اور مسائل پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان میں واقعات اور افکار عام طور پر غیر مربوط اور منتشر انداز میں ہوتے ہیں اور فوری اطلاعات کے علاوہ غیر شعوری اظہار بھی راہ پا جاتا ہے۔ جس سے مکاتیب، مکتوب نگار کی شخصیت، سیرت اور مزاج کا آئینہ خانہ بن جاتے ہیں۔ یہ خصوصیت خطوط کو سوانحی ادب میں ضرور شامل کرتی ہے لیکن خود نوشت سے الگ بھی کرتی ہے۔

حوالہ جات

1. نور الحسن ہاشمی، ڈاکٹر (مرتب)، ایک نادر روزنامچہ (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل لائبریری، 1911ء)، 8۔
2. حسن نظامی، خواجہ، غالب کا روزنامچہ (دہلی: کارکن حلقہ مشائخ بک ڈپو، 1924ء)، 5۔
3. محمد اکرم چغتائی، 1857 (روزنامچے، معاصر تحریریں، یاداشتیں) (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2007ء)، 35۔
4. ماہر القادری، روزنامچے (لاہور: عالمگیر بک ڈپو، 1935ء)، 77۔
5. ماہر القادری، روزنامچے، 89۔

References in Roman Script

1. Noor ul Hassan Hashmi, Dr (muratab), Aik Nadir roznamcha (Patna: Khuda Bukhsh Oreintal Laibrari, 1911), 8.
2. Hassan Nizami, Khwaja, Ghalib ka Roznamch, (Dehli: Karkun Halqa Moshaikh Book Depo, 1924), 5.
3. Muhammad Akram Chughtai, 1857 (Roznamcy, Moasar Tahreerian, Yadashtin) (Lahore: Sang-e-Meel Publisher, 2007), 35.
4. Mahir ul Qadri, Roznamchy (Lahore: Aalamgeer Book Depo, 1935), 77.
5. Ibid, 89.